خواجہ صادق کاشمیری

امیر شریعت کا آخری سفر

دلخراش خبر

سوموار ۲۱ اگست کو شام کو چند دوستوں کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا کہ ٹیلی فون کی گھنٹی بجی۔ میری بھانجی شائستہ شورش بول رہی تھی۔ اس نے بتایا ابھی ابھی ملتان سے ٹیلی فون پر اطلاع ملی ہے کہ سید عطاء اللہ شاہ بخاری کا انتقال ہو گیا ہے۔ خبر سن کر میری روح کانپ اٹھی۔ فضا میں ایک دھماکہ ہوا صبر و قرار کی کائنات برباد ہو گئی۔ کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ٹیلی فون کا رسیور گر گیا۔ وفور غم سے دل بیٹھنے لگا۔ "ہائے شاہ جی"! کے علاوہ اور کچھ نہ کہہ سکا۔ دنیا اندھیری ہوتی ہوئی نظر آنے لگی۔ مایوسی اور غم کے عالم میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا اور ملال و کرب کی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔ مغلپورہ ریلوے ٹیشن۔ شہید گنج تحریک، دوسری جنگ عظیم فوجی میں بھرتی کے خلاف احرار کا محاذ، ناموس رسول ﷺ کے لئے قادیان میں مرزا بشیر الدین محمود کو چیلنج، تحفظ ختم نبوت تحریک، شاہ جی کی طویل ترین دلپذیر تقاریر اور پھر ان کی قرآن خوانی آنکھوں کے سامنے جھومنے لگی۔ اور وہ مبارک لمحے یاد آ گئے جب مجھے اس عظیم شخصیت کے پاؤں دبانے کی سعادت حاصل ہوا کرتی تھی۔ عالم تصور میں بڑی دیر تک شاہ جی کے پاؤں دباتا رہا کہ چودھری عبدالرحیم صاحب کی آواز نے چونکا دیا۔

"خواجہ صاحب کیا ہوا۔ خیر تو ہے؟"

گلوگیر آواز میں انہیں بتایا کہ شاہ جی ہمیں چھوڑ کر اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔ چودھری عبدالرحیم مجھے دلاسہ دینا چاہتے تھے مگر ان سے بھی صبر کا دامن چھوٹ گیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ چند منٹوں میں خبر محلہ بھر میں پھیل گئی۔ بے شمار لوگ میرے مکان پر اکٹھے ہو گئے۔ ہر شخص حزن و ملال کی تصویر بنا ہوا تھا۔ کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کیا جائے۔

حاجی محمد اسحاق حنیف کا شمار صابر اور موحد قسم کے لوگوں میں ہوتا ہے۔ وہ کاروباری سلسلے میں روزانہ شیخ حسام الدین صاحب سے ٹیلی فون پر بات چیت کرتے ہیں اور یہ معمول گزشتہ چودہ سال سے جاری ہے۔ جس کی وجہ سے انہیں شیخ صاحب کا ٹیلی فون نمبر حفظ ہے لیکن شاہ جی کے انتقال کے خبر ان کے لئے بھی ناقابل برداشت تھی وہ شیخ صاحب کو فون کرنا چاہتے تھے لیکن ہر بار غلط نمبر مل جاتا ہے آخر انہوں نے مجھے فون کیا اور شیخ صاحب کا نمبر پوچھا۔ اس وقت حاجی صاحب کی آواز میں بڑا دردناک کرب تھا۔ معلوم ہوتا تھا کہ اس موحد اور مضبوط عقیدہ کے بزرگ کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔

ملتان روانگی

شورش صاحب نے اطلاع دی کہ پونے نو بجے گاڑی سے ملتان جانے کا پروگرام ہے۔ تیار ہو جاؤ۔ لہذا اسی وقت حاجی محمد حنیف کے ہمراہ ریلوے اسٹیشن پہنچا۔ شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری، آغا

شورش کاشمیری، مولانا مظہر علی اظہر، سالار معراج دین، حاجی محمد جہانگیر، میاں سعید اقبال، حاجی حبیب اللہ اور دوسرے بیشمار عقیدت مند وہاں ملتان جانے کے لئے اسٹیشن پر موجود تھے۔ سیکنڈ کلاس کی نشستیں ختم ہو چکی تھیں۔ تھرڈ کلاس کے ڈبے کھچا کھچ پر ہو چکے تھے۔ جسے جہاں جگہ ملی وہیں بیٹھ گیا۔ شیخ صاحب، شورش صاحب اور ماسٹر جی فرسٹ کلاس میں تھے۔ مولانا مظہر علی اظہر اور لاہور کے رئیس حاجی حبیب اللہ تھرڈ کلاس کے ڈبے میں بیٹھے تھے۔ حاجی اسحاق حنیف نے سکینڈ کلاس کی ٹکٹیں لی تھیں مگر انہیں انٹر کلاس میں جگہ ملی۔ غرضیکہ جگہ اور آرام سے بے نیاز ہر شخص امیر شریعت کے آخری دیدار کی دھن میں ملتان پہنچنے کے لئے بے تاب تھا۔

خانیوال کے اسٹیشن پر لائل پور کے سو سوا سو ساتھی اس گاڑی میں سوار ہوئے۔ جن میں خواجہ جمال الدین بٹ، مولانا عبید اللہ احرار، مسٹر محمد عالم بھی شامل تھے۔ جھنگ سے صوفی شیر محمد، مولانا غلام قادر، مولانا صادق حسین، مولانا عبدالحکیم کے ہمراہ بھی ساٹھ ستر آدمی آن ملے۔ کوئٹہ میل صبح ساڑھے پانچ بجے ملتان چھاؤنی کے اسٹیشن پر پہنچی تو کے مرید خاص اور شاگرد قاضی احسان احمد شجاع آبادی نے آنسو بھری نگاہوں سے سوگوار ساتھیوں کا استقبال کیا۔ قاضی صاحب نصف گھنٹہ پہلے شاہ جی سے ملنے کراچی سے ملتان پہنچے تھے۔ اسٹیشن پر اخبار پڑھا تو کلیجہ پھٹ گیا۔ دل تڑپ اٹھا۔ پلیٹ فارم پر ہی بیٹھ گئے۔ اتنے میں لاہور سے گاڑی پہنچ گئی۔ قاضی صاحب نے احرار زعماء اور اپنے رفقائے کار کو دیکھا تو ایک ایک سے گلے مل کر روئے اور دوسروں کو رلایا۔

سوگواروں کا یہ قافلہ صبح سویرے محلہ ٹبی شیر خاں کی ایک تنگ و تاریک بستی میں امیر شریعت کے مکان پر پہنچا۔ اس علاقے کے تقریباً تمام مکان کچے اور شکستہ ہیں۔ جوہڑوں میں پانی کھڑا ہے۔ جگہ جگہ کوڑے کرکٹ کے انبار لگے ہیں۔ اس علاقے کے ایک کچے اور شکستہ مکان میں شاہ جی گزشتہ چودہ سال سے چالیس روپے ماہوار پر گزر کر رہے تھے۔

زیارت

عقیدت مندوں کا اصرار تھا کہ انہیں شاہ جی کی زیارت کرائی جائے۔ لیکن مرحوم کے فرزند اکبر مولانا حافظ سید عطاء المنعم اپنی مجبوری بیان کر رہے تھے کہ مکان میں جگہ تھوڑی ہے۔ پردے کا انتظام نہیں ہو سکتا صبر کریں۔ تھوڑی دیر بعد میت کو کسی کھلی جگہ پہنچانے کا انتظام کیا جائے گا۔ لیکن مرحوم کے مخلص عقیدت مند حاجی حبیب اللہ قاضی احسان احمد اور چند دوسرے ساتھیوں کو بھی اندر آنے کی اجازت مل گئی۔ خواتین ٹاٹ کے پیوند لگے پردوں میں چھپ گئیں۔

شاہ جی جنہوں نے دو سال تک فالج، اختلاج قلب، یرقان اور ٹائیفائڈ سے جنگ لڑی تھی لٹھے کے کفن میں لپٹے آخری سفر کے منتظر تھے۔ یرقان کی وجہ سے ان کا چہرہ زرد ہو گیا تھا۔ سرخ و سفید نورانی چہرے والے نواسۂ رسول پر کمزوری کے نشان عیاں تھے۔ لیکن اس کے باوجود ان کے چہرے پر عجیب استقلال و

اطمینان ٹپک رہا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ جیسے ابھی ابھی طویل تقریر کے بعد تھک کر سو گئے ہیں۔ لیکن جب یہ خیال آتا کہ شاہ جی اب بیدار نہ ہوں گے تو عقیدت مند بے ساختہ رو پڑتے۔ مجھ پر تو لرزہ خیز رقت طاری تھی۔ ایک طرف شاہ جی کی میت اور دوسری طرف اس عظیم انسان کے گھر کا تقشہ۔ پیوند لگے ٹاٹ کے پردے، مٹی کے برتن، پھٹے پرانے بستر، شکستہ چارپائیاں۔

شاہ جی کی بیماری اور اس کا علاج

جس بزرگ کے در پر بڑے بڑے رئیس آفیسر، وزیر، علماء اور صوفیاء حاضری دینا باعث سعادت و فخر سمجھتے تھے۔ جس کی ایک تقریر انقلاب کا پیش خیمہ بن جاتی تھی۔ جو اگر چاہتا تو دولت کے انبار اکٹھے کر لیتا۔ عالی شان کوٹھیاں بنا لیتا۔ اقتدار چاہتا تو بڑا عہدہ حاصل کر لیتا۔ مرتے دم تک سر چھپانے کے لئے ایک مکان بھی نہ بنا سکا۔ کرائے کے مکان میں مفلسوں کی زندگی گزاری۔ فاقہ ہوا تو شکوہ نہ کیا۔ تکلیف ہوئی تو اف تک نہیں کی۔ کبھی کسی کو احساس نہ ہوا کہ اس مہاجر کو سر چھپانے کے لئے جگہ ہی دے دی جائے۔

شاہ جی یوں تو گزشتہ ڈیڑھ سال سے بیمار تھے۔ لیکن گزشتہ رمضان میں ان پر فالج کا حملہ ہوا۔ جس کا اثر زبان اور جسم کی دائیں جانب ہوا۔ مرحوم پر فالج کا یہ چوتھا حملہ تھا۔ عید الفطر کے دوسرے روز انہیں نشتر ہسپتال داخل کرایا گیا۔ جہاں ان کا باقاعدہ علاج شروع ہوا؟

مرحوم کی بلند پایہ دینی و ملی خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے صدر پاکستان فیلڈ مارشل محمد ایوب خان نے نشتر کالج اور ہسپتال کی ایڈمنسٹریٹر کو ہدایت کی کہ ان کے علاج میں پوری احتیاط کی جائے۔ اس سلسلے میں اگر کسی ایسی دوا کی ضرورت ہو جو ملک میں نہ مل سکتی ہو تو انہیں بتایا جائے تاکہ وہ دوائی درآمد کر لی جائے۔ شاہ جی ڈیڑھ ماہ تک ہسپتال میں رہے جہاں سے ان کے بیٹے (باہمی مشورے سے) انہیں گھر لے آئے۔ (اس لئے کہ انہیں افاقہ نہ ہوا اور طبیعت زیادہ بگڑ گئی) گزشتہ جون میں انہیں شیخ حسام الدین علاج کے لئے لاہور لے آئے۔ یہاں لاہور کے مشہور حکیموں کے بورڈ نے ان کا معائنہ کیا۔ لیکن علاج کرنل ضیاء الدین سے کرایا گیا۔ یہاں ان کی حالت کچھ بہتر ہو گئی تو ایک ماہ پہلے انہیں واپس ملتان لے جایا گیا جہاں کرنل ضیاء الدین کی ادویات استعمال کرائی جاتی رہیں لیکن ملتان میں حالت اور بھی خراب ہو گئی۔ فالج کے بھرپور حملہ کے باعث قوت گویائی بالکل ختم ہو گئی۔ کبھی کبھار بڑی مشکل سے بات کرتے تھے لیکن مفہوم سمجھ میں نہیں آتا تھا اور پھر اچانک بخار شروع ہو گیا۔ موت سے تین روز قبل یرقان کا حملہ ہوا جس سے جسم کی رنگت بدل گئی۔ رہی سہی توانائی بھی ختم ہو گئی ان حالات میں ان کے ذاتی معالج حکیم عطاء اللہ خان اور اُن کے صاحبزادے حکیم حنیف اللہ سے رجوع کیا گیا۔ انہوں نے بتایا کہ تکلیف جگر کے ساتھ ساتھ اندرون جگر سوزش اور ورم بھی ہو گئی ہے۔ ضعف قلب پہلے ہی تھا۔ لیکن اب زیادہ ہے۔ ان دنوں مرحوم کو ایک سو سے ایک سو چار درجے بخار رہنے لگا۔ آخر ان عوارض نے مل کر اس بلند ہمت انسان کو گرا لیا اور وہ ۲۱ اگست کی شام کو ۶ بج کر پچاس منٹ پر انتقال فرما گئے۔

شاہ جی جس حال میں بھی رہے کبھی شکوہ نہ تھا۔ لاہور اور دیگر اضلاع کے عقیدت مندوں نے کوشش کی کہ ان کے شہر میں چل کر بہتر مکان میں رہیں مگر آپ نے انکار کر دیا۔ ایک مرتبہ گجرات کے ایک عقیدت مند نے شدید اصرار کیا تو ملتان کے خان مظہر نواز خاں نے کہا کہ ہم کٹ مریں گے لیکن ملتان کو شاہ جی کے قیام کی سعادت سے محروم نہ ہونے دیں گے۔ شاہ جی نے مسکرا کر کہا۔ میاں مت گھبراؤ اس فقیر نے اپنا وجود تمہارے سپرد کر دیا ہے۔ اب تم ہی اس کے وارث ہو۔ ٹبی شیر خاں کے تنگ و تاریک کوچہ میں مرحوم کو شاہ و گدا ملا کرتے تھے۔ وہاں رئیس و وزیر بھی جاتے اور فقیر بھی۔ جو سب فرش خاک پر ہی شاہ جی کے روبرو بیٹھتے۔ عقیدت مند ان کی خدمت کر دیا کرتے تھے۔ اللہ کے بھروسے پر ساری زندگی گزار دی۔ کہا کرتے تھے کہ خالق حقیقی نے کبھی اس فقیر کی ضروریات کو نظر انداز نہیں کیا۔ آخر دم تک فقر و استغنا کا نمونہ تھے۔

ان کی محفلیں ایک مدت تک یاد رہیں گی۔ شاہ جی جہاں ہوتے صبح سے شام تک ایک میلہ سا لگا رہتا۔ شاہ جی لوگوں کے دلوں پر حکومت کیا کرتے تھے۔ لوگ اپنا غم لے کر آتے اور شاہ جی کے سامنے زانو طے کرتے اور غم بھول جاتے۔

جذبۂ غریب پروری

وہ ملتان میں اپنے غریب اہل محلہ کے لئے شفقت اور محبت کا خزانہ تھے۔ ان کے دولت مند عقیدت مند جو تحفے لے کر آتے بے آسرا لوگوں کے کام آتا۔ وہ بڑی خاموشی سے ان کے گھروں میں رقم پہنچا دیا کرتے۔ یہ سلسلہ آخر وقت تک جاری رہا۔ ان کے معالج حکیم حنیف اللہ نے بتایا کہ ایک روز کہنے لگے:۔

"حکیم صاحب کبھی آپ نے مجھ سا صابر اور فرمانبردار مریض بھی دیکھا ہے"

اور اکثر حکیم صاحب کی کوششوں پر مسکرا دیا کرتے اور کہتے بھئی میں نے تو بہت جی لیا ہے تم اپنی سعی کر دیکھو۔ مگر میں تو اپنے خالق حقیقی سے ملنے کی تیاریاں کر رہا ہوں۔ ایک مرتبہ ایک عقیدت مند نے کہا شاہ جی مجھے تعویز لکھ دو۔ شاہ جی نے جواب دیا۔ مجھ سے عرضی نویسی کراتے ہو۔ ایسی عرضی تو تم بھی لکھ سکتے ہو۔ وہ کبھی اپنے عقیدت مندوں کو موقع ہی نہیں دیا کرتے تھے کہ وہ انہیں کراماتی پیر کا درجہ دیں۔ وہ علمائے دیوبند کے مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ لیکن دین کی خدمات کے معاملہ میں کبھی تعصب سے کام نہ لیا۔ انہوں نے ہر مکتب ہائے فکر کے مدارس کی امداد فرمائی ان کے سالانہ جلسوں میں شریک ہوئے۔ انہوں نے بے شمار مدرسوں کی بنیاد اپنے ہاتھ سے رکھی جس کی وجہ سے آپ ہر حلقہ میں عزت و احترام کی نظر سے دیکھے جاتے تھے۔

عقیدت مندوں کی ملتان میں آمد

۲۱ اگست کی رات کو ریڈیو پر ان کے انتقال کی خبر نشر ہونے کے بعد ملک کے ہر گوشہ سے عقیدت مند ملتان پہنچنا شروع ہو گئے۔ کراچی سے لے کر پشاور تک کے تقریباً ہر ضلع سے لوگ ملتان پہنچے۔ جنازہ اٹھنے تک ریل کار، ہوائی جہاز، ٹرک، بس، سائیکل اور پیدل تقریباً دس ہزار لوگ باہر سے ان کے جنازے میں شرکت

کے لئے ملتان پہنچ چکے تھے۔ ان لوگوں کے لئے شاہ جی کے مکان سے ایک فرلانگ کے فاصلہ پر مدرسہ قاسم العلوم میں شامیانے لگوا دیئے گئے تھے جہاں بے شمار لوگ کلام پاک کی تلاوت کر رہے تھے۔

کمشنر اور ڈپٹی کمشنر شاہ جی کے مکان پر

دس بجے کے قریب کمشنر ملتان مسٹر بی اے قریشی تعزیت کے لئے شاہ جی کے مکان پر پہنچے۔ انہوں نے حکومت مغربی پاکستان کی طرف سے پیش کش کی کہ اس جلیل القدر رہنما کو ملتان کے تاریخی قلعہ میں دفن کیا جائے لیکن مرحوم کی اہلیہ (سیدہ ام الاحرار اور چاروں بیٹوں) فرزندوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ (ان کے پیش نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ تھا) اور کہا کہ مرحوم نے زندگی بھر اپنے لئے کبھی کوئی رعایت حاصل نہیں کی۔ مرنے کے بعد بھی سرکاری رعایت حاصل کرنا ان کے مسلک کے خلاف ہے۔ لیکن عقیدت مندوں کی خواہش تھی کہ شاہ جی کو ان کی شان کے مطابق قلعہ میں دفنایا جائے شاہ جی کے فرزند اکبر سید عطاء المنعم بخاری نے کہا کہ والد ماجد اپنی موت کا ذکر کر کے اکثر فرمایا کرتے تھے "اب تو چل چلاؤ کا وقت ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ ایسے مقام پر قبر نصیب کرے جو سر راہ ہو اور آتے جاتے لوگ فاتحہ پڑھ جایا کریں"

شاہ جی کے جانشین کا تقرر اور دستار بندی

مولانا محمد علی نے لوگوں سے درخواست کی کہ وہ عقیدت اور جذبات سے مرعوب ہو کر مرحوم کے مسلک کو تبدیل نہ کریں بلکہ ان کے مشن کو پورا کرنے کے لئے اپنے آپ کو تیار کر لیں۔ انہوں نے شاہ جی کے بڑے بیٹے مولانا حافظ عطاء المنعم کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ عمر کے لحاظ سے وہ ہمارے عزیز ہیں لیکن سادات اور شاہ جی کے بیٹے کی حیثیت سے وہ ہمارے بزرگ اور باپ ہیں۔ شاہ جی کی موت کے بعد وہی ان کے جانشین ہو سکتے ہیں۔ لہٰذا اسی وقت حافظ عطاء المنعم بخاری صاحب کو مرحوم کا باقاعدہ جانشین بنانے کا اعلان کر دیا گیا۔ حضرت مولانا خیر محمد جالندھری نے ان کی دستار بندی کی۔

مولانا حافظ عطاء المنعم کا صبر اور استقلال

جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا بیرون جات سے آنے والوں میں اضافہ ہوتا رہا اور ہر طرف سے ایک ہی خواہش اور مطالبہ تھا کہ انہیں شاہ جی کی زیارت کرائی جائے۔ لیکن حافظ عطاء المنعم تنگ مکانی کے باعث معذرت کر رہے تھے۔ انہوں نے بڑے صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا۔ عظیم و شفیق باپ کی موت کے صدمہ کے باوجود ان کی آنکھ سے ایک آنسو نہ نکلا۔ وہ اپنے دوسرے بھائیوں سمیت ایک مرد مجاہد اور پیکر سُنت کی طرح جنازہ کے انتظامات اور لوگوں کو مطمئن کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

جنازہ اٹھایا گیا

ساڑھے تین بجے نماز ظہر کے بعد جنازہ اٹھایا گیا۔ سب سے پہلے گھر سے میت کو حافظ عطاء المنعم،

قاضی احسان احمد، حاجی محمد اسحٰق، حنیف اور دیگر فرزندان امیر شریعت کندھا دے کر باہر لائے۔ اس وقت ٹبی شیر خاں کی تمام سڑکیں میدان اور گلیاں لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئیں تھیں۔ ایک لاکھ سے زیادہ لوگ مرحوم کو کندھا دینے کی سعادت حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جنازہ کے چاروں طرف بڑے بڑے آٹھ بانس لگا دیئے گئے۔ لیکن اس کے باوجود نصف سے زیادہ لوگ کندھا دینے سے محروم رہ گئے۔ جنازہ تک پہنچنا ایک بڑا مرحلہ تھا۔ ہجوم کے باعث کمزور اور ناتواں لوگ تو میت تک پہنچ ہی نہ سکتے تھے۔ جنازے کا جلوس کم از کم ایک میل تھا۔ حد نظر تک انسان ہی انسان نظر آتے تھے۔

نماز جنازہ

چار بجے جنازہ امیر سن کالج کی گراؤنڈ میں پہنچا دیا گیا۔ جہاں ایک گھنٹہ تک لوگوں کو مرحوم کی زیارت کا موقع دیا گیا لیکن اس عرصہ میں ایک چوتھائی لوگ بھی زیارت نہ کر سکے۔ کچھ عقیدت مند مرحوم کے پاؤں پکڑ کر رونے لگے۔ کوئی ان کا منہ چومنے لگا۔ حتیٰ کہ بے شمار عورتیں بھی پہنچ گئیں۔ جس کی وجہ سے جنازہ کو ڈھانپ دیا گیا۔ اور نماز جنازہ کے لئے صفیں بنائی گئیں۔ اس کام میں بھی پون گھنٹہ لگ گیا۔ مولانا حافظ عطاء المنعم نے نماز جنازہ پڑھائی جس میں بے پناہ عوام کے علاوہ متعدد آفیسر بیشمار علماء اور صوفیاء کرام شریک تھے۔

تدفین بخاری

شام کو ٹھیک چھے بجے مرحوم کو جلال باقری قبرستان میں بالکل سڑک کے کنارے آغوش لحد کے سپرد کر دیا گیا۔ (سنت کے مطابق تدفین کا سارا عمل مکمل کیا گیا۔ قبر کچی بنائی گی) شاہ جی ہمیشہ کے لئے منوں مٹی تلے دب گئے۔ لوگ چیخیں مار مار کر رونے لگے اور برصغیر ہند و پاک تحریک آزادی کا دل آویز باب ختم ہو گیا۔

تعزیتی جلسہ

مقامی حکام نے اس موقع پر تعزیتی جلسہ کرنے کی اجازت دے دی تھی۔ رات کو قاسم باغ میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد ہوا۔ جس میں صاحبزادہ سید محمد سلیمان ۔۔۔۔۔، مولانا عبدالرحمن میانوی، ماسٹر تاج الدین انصاری، شیخ حسام الدین، مولانا مظہر علی اظہر، قاضی احسان احمد شجاع آبادی، اور آغا شورش کاشمیری نے تقریر کرتے ہوئے مرحوم کی موت کو ناقابل تلافی نقصان قرار دیا اور ان کی ملی اور دینی خدمات کو خراج تحسین پیش کیا۔

آغا شورش کاشمیری نے اپنی تقریر میں کالونی ٹیکسٹائل ملز کے مالکان کی اس روش پر افسوس کا اظہار کیا کہ انہوں نے اس عظیم المرتبت شخصیت کی موت کے باوجود بھی فٹ بال ٹورنامنٹ بند نہیں کیا جو کالونی ملز کے مالکوں کی طرف سے کرایا جا رہا تھا۔ (۱)

حاشیہ اگلے صفحے پر ملاحظہ فرمائیں۔